وہ خون کے آنسو

جو

تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز

محترمہ خاتونِ اکرم جنّت مکانی

کی جواں مرگی پر

مرحومہ کے خسر حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

نے گرائے ادب اُردو کے وہ قیمتی موتی ہیں جن سے

زنانہ لٹریچر ہمیشہ جگمگاتا رہے گا

وداعِ خاتون

انہیں مضامین کا مجموعہ ہے اور یادگار ہے

مرحومہ کے اس اعلیٰ و بلند کیرکٹر کی جو چشم انسانی بہت کم دیکھتی ہے

رازق الخیری

عنوان	صفحہ
مہمان دلہن	۳
کتبۂ تربت	۳۲
تعزیت نامہ	۳۳
آپ بیتی	۳۵

انتباہ

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپی)

مہمان دُلہن
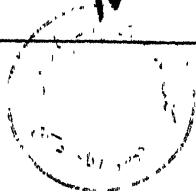
باغبان کی ہزارہا توقعات کے سایہ میں ننھا سا پودہ لہلہا لہلہا
ر پروان چڑھ رہا تھا۔ سبز پتیاں دن بھر تمازت آفتاب کی آغوش
ں پھولتیں، اور رات کو جب متحرک ذرات خاموش ہو جاتے تو پودہ
ر سرا سر سرا کر ہوا سے اٹھکیلیاں کرتا، شبنم کے آبدار موتی اس کا
نہ چوم کر نسبت کے ہاتھ گلے میں ڈالتے اور خاتمۂ شب پر صبا
ٹھنڈے جھونکوں کا غسل دیتی۔

پودہ بڑھ رہا تھا ——— سر سرا سر سرا کر، لہلہا لہلہا کر
کس کو خبر تھی کہ یہ پودہ کیسے کیسے گل کھلائے گا۔ اس کا
ہلا پھول بہارِ حسن کو معطر کرے گا۔ اور رشکِ نگہ عروس اس کی
خوشبو سے ہمکنار ہوتی ہوئی بلند ہو گی۔ اس کی نازک پنکھڑیاں شب
روس کی گود میں کھیلیں گی۔ اور سرخ آویزے ان کی بہار پر قربان
وں گے۔

پودہ پروان چڑھ رہا تھا ——— پھول پھول کر اور جھوم جھوم کر

جب بہار خزاں سے بدلیگی، اور لُو کے تند و گرم جھونکے
شاداب و سبز پتوں کو جھلسیں گے، ہری ہری کونپلیں ٹوٹ ٹوٹ
کر زمین کا دامن بھریں گی، اُس وقت یہ نازک پودہ اپنی پوری

طاقت سے خزاں کے مقابلہ کو آگے بڑھے گا، ایک دردانگیز کشمکش ہو گی اور نظامِ عالم کا ایک پُرلطف قہقہہ، جو بجلی بن کر گرے گا، فتح کا سہرا، خزاں کے سر باندھتا ہوا اس ہونہار پودے کو تاراج و برباد کردے گا لیکن اس سے کچھ پہلے، جب بلبل آخری مرتبہ شاخ گل پر جھولے گی، یہ آخری پھول مرجھانے سے قبل ہوا کو بدستور معطر کریگا!

کون جانتا تھا جس کا پہلا پھول زینتِ عروس تھا اس کا آخری پھول آرائشِ قبر ہو گا! جس کے پہلے پھول نے دلہن بنایا اسی کو آخری پھول قبر میں دیکھے گا۔ انسانی پودا بھی قبر بسانے کو دلہن بن رہا ہے، جس کے ساتھ ارمانوں کا ڈھیر ہو گا یہ سب کچھ ہونے والا ہے اور اس لئے،

پودہ چاروں طرف چھا رہا ہے —— ہنس ہنس کر اور کھل کھل کر

زمین کے منہ سے باہر آنیوالی وہ تمام اشیا جو مختلف ناموں سے چشم انسانی کے سامنے آتی ہیں اگر ایک طرف ڈھیر لگادی جائیں، اور دوسری طرف وہ حسرت و ارمان جمع کئے جائیں جو پھول سے جسموں کے ساتھ زمین میں دفن ہوئے تو یقیناً ان کا وزن زیادہ ہو گا! شاید اسی لئے زمین پال رہی ہے، یا غبان کے پودے کو، انسانی پودے کے استقبال کے واسطے۔

پودہ بڑھ رہا تھا، چڑھ رہا تھا، پھل رہا تھا، پھول رہا تھا، کھلتا ہوا اور کھلتا ہوا

(۱)

۷ نومبر کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ اور رات کی سیاہی آہستہ آہستہ دریا گنج کو اپنے آغوش میں لے رہی تھی ۲۳۴ کے مکان میں ایک ضعیف العمر مسلمان چارپائی پر لیٹا اپنے خیالات میں منہمک تھا کہ کان میں یہ آواز آئی

"تشریف لے چلئے"

ان الفاظ کے ختم ہوتے ہی بڈھا اٹھ بیٹھا۔ دروازے تک پہنچا تھا کہ اطاعت و فرمانبرداری کی ایک مجسّم تصویر بیس بائیس برس کی لڑکی کچھ کاغذات ہاتھ میں لئے اپنے کمرے سے باہر آئی، ننگے سر نکلی اور بے تحاشا دوڑ کر کہا "ہو گیا" بڈھے نے روشنی میں کاغذ دیکھے۔ شکریہ کی مسکراہٹ ہونٹوں پر آئی، اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر بچی کے سر پر رکھا اور کہا "شاباش بیٹی شاباش" دونو لیمپ کے سامنے کھڑے تھے، بچی کا سر بڈھے کے سینہ سے لگا ہوا تھا۔ مگر بڈھے کی خاموشی بچی کے کرم کا شکریہ ادا کر رہی تھی کہ سال بھر کے بچہ کے رونے کی آواز کان میں آئی۔ اور بڈھا یہ کہہ کر باہر نکلا۔

"جاؤ بیٹی بچہ کو لو"

(۲)

"خدا کا واسطہ ذرا عقل سے کام لو اولاد کی شادی گڑیوں کا کھیل نہیں ایک ذمہ داری کا کام ہے جس سے

ذرّہ بھر غفلت زندگیاں تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ تم لڑکے کے واسطے دلہن ڈھونڈ رہی ہو یا اپنے واسطے دولت؟ تم جس طرف مائل ہو اور فیصلہ کر رہی ہو یا کر چکی ہو اسمیں شک نہیں کہ وجاہت اور دولت دونوں اعتبار سے ٹھیک اور درست ہی نہیں اعلیٰ و ارفع، مگر کیا یہ دو توچیزیں شادی کا مقصد اصلی حاصل کرنے کیلئے کافی ہیں؟ میں جانتا ہوں دس بارہ ہزار روپیہ کا جہیز بھی ہوگا۔ مجھے معلوم ہے کہ بریانی اور متنجن کی دیگوں سے گھر بھر جائے گا۔ لیکن اس کے بعد بھی کچھ دیکھنا ہے میں واقف ہوں کہ لڑکی پڑھی لکھی، مجھے خبر ہے کہ صورت شکل کی بھی بُری نہیں، مگر کچھ اس کے بھی ہے اور وہی ایسی چیز ہے کہ اگر ہاتھ آگئی تو شادی خانہ آبادی ورنہ بربادی۔ خاتون صورت شکل کے اعتبار سے دولت و ثروت کے لحاظ سے دلّی کی برابری نہ کر سکے، مگر اس کے جہیز میں ایک ایسا جوہر ہوگا جس پر یہ تمہارا گوٹہ ٹھپّا، چاندی سونا، سب قربان! کرو گی تو دیکھ لینا اور اسے گی تو سُن لینا کہ فرمانبردار بیویاں، اطاعت شعار بہوئیں، ملنسار بھاوجیں کیسی ہوتی ہیں۔ اس کی پالکی کے پیچھے برتنوں کی قطار اور کاٹ کباڑ۔ کا انبار نہ سہی۔ لیکن اس کی ذات ایسے جواہرات سے مالا مال ہوگی کہ ایک تم ہی نہیں تمہارا سارا کنبہ نہال نہال ہو جائے گا۔ تم نے تہذیب میں اس کے مضامین دیکھے عصمت میں اس کے خیالات کا مطالعہ کیا۔ تحقیقات سے اس کے

حالات معلوم ہوئے، جو چاہیئے وہ لے لو، جو ہونا چاہیئے وہ موجود۔ مالدار بہو لانے کا جذبہ ایسا رکیک اتنا ذلیل اور اسقدر کمینہ ہے کہ سُنکر تعجب اور دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ تمہارا لڑکا لڑکیوں سے زیادہ سیدھا۔ تم اگر دولت کے جال میں اس کو پھنساتی ہو تو بسم اللہ۔ لیکن لکھہ رکھو کہ اطمینان جو مقصد ہے کافور، اور حقیقی مسرت جس کی تلاش ہے ہزاروں کوس دور ہوگی اور میں یہ کہنے میں حق بجانب ہونگا کہ تم نے ماں ہوکر اپنے بچہ کو الٹی چھری سے حلال کیا۔ بیوی خیالات بلند کرو میں نے ہندوستان بھر سے تمہارے واسطے وہ لڑکی منتخب کی ہے جو لاجواب اور بے مثل ہوگی اور اگر خدا کو منظور ہے تو دیکھ لینا تمہارا بچہ عمر بھر دعائیں دے گا"

---:(۳):---

جہانسی کی پردیسن خاتون دلہن بن گئی ۲۶ فروری ۲۳ء کی صبح برات دریا گنج نمبر ۳۲۴ اتر آئی ہے اور یہ پہلا روز ہے کہ پھولوں میں ڈوبی عطر میں لبی بیگم سسرال میں داخل ہوئی جہیز کم نہیں، برات کی خاطر مدارات اُمید سے بڑھکر اور توقع سے زیادہ ہوئی۔خطبہ نکاح نے اس بچی کو جو کل تک **خاتون اکرم** تھی آج "رازق دلہن" بنا دیا۔ وداع کے وقت جب ماں باپ اور بہن بھائیوں نے اپنے کلیجہ کے ٹکڑے کو جدا کیا تو آنکھ سے آنسو کی لڑیاں

بہہ رہی تھیں ۔ یہ وہ ساعت تھی جس نے ماں اور باپ دونوں کے دل پر بنادی ۔ بیس سال کی محبت ختم ہوئی اور جس کو دن رات آنکھوں پر بٹھاتے اور سینہ سے لگائے پھرتے، وہ آج کالے کوسوں دلّی جارہی ہے، ماں نے صبر کا پتھر سینہ پر رکھکر" خداحافظ" کہا بھائی نے " فی امان اللہ" کہہ کر دروازے تک پہنچایا ۔ باپ نے جس کی آنکھیں روتے روتے سُرخ ہوگئی تھیں سمدھی کو پاس بلا کر کہا ۔

" مولانا! آنکھوں کی ٹھنڈک خاتون جو بیس سال اس گھر کی رونق رہی، آج آپ کے سپرد ہے ۔ غریب بچی بے زبان ہے ۔ سخت سے سخت تکلیف میں اُف کرنیوالی نہیں ۔ مجھے جہاں یہ یقین ہے کہ آپ اس کو اپنی بچی کے برابر سمجھیں گے وہاں یہ بھی اُمید ہے کہ خاتون آپ کی فرمانبرداری میں کسر نہ چھوڑے گی ۔ مسکین ہے خاموش ہے اور اس کی غربت پر دل کٹتا ہے ۔ کوارپنے کا زمانہ اس طرح بسر کر چلی کہ ماما ئیں بھی اسکی مفارقت پر سر پھوڑ رہی ہیں ۔ میں مالدار نہیں ہوں ۔ جہیز آپکے لایق نہیں مگر جو بچی آپ کو دے رہا ہوں وہ بہت بڑے جہیز سے مالا مال ہے ۔ محنت سے اُکتائے گی نہیں، تکلیف سے گھبرائے گی نہیں، ہر حال میں راضی، اور ہر کیفیت میں خوش رہے گی ۔

اب میری درخواست ہے کہ میرے سامنے اپنا ہاتھ اسکے سر پر رکھیئے۔ خدا آپ کو بہو لیجانی نصیب کرے اور جس چراغ نے بیس سال میرے گھر کو روشن رکھا وہ اب آپ کے گھر کا اجالا ہو"

اِدہر یہ ہو رہا تھا اُدہر دلہن کی ماں نے دولہا کی ماں سے کہا۔

"بہو کی خدمت کو لونڈی دیتی ہوں، ابھی بچہ ہے ناتجربہ کار ہے سسرال کی کٹھن منزل سے ناآشنا، اور پردیس کے معاملات سے ناواقف، غفلت کو درگذر غلطی کو معاف، لاپرواہی کو نظر انداز اور اپنے بچوں کا صدقہ میری بچی کی خطا پر دہیان نہ کرنا جس کو دم بھر آنکھ سے اوجھل نہ کیا تھا کل ہزاروں کوس دور ہو گی۔ بے بس ہو گی، بیکس ہو گی، بیٹی والی ہو۔ اپنی بچیوں کا طفیل میری بچی پر رحم کی نظر رکھنا"

—:(۴):—

شادی کا چوتھا روز تھا کہ ساس کو بخار چڑہا اور وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ ٹانگوں میں شدت کا درد تھا۔ ایک بجے رات کے جب بخار ہلکا ہوا اور پسینہ آیا تو دیکھتی کیا ہے کہ چار دن کی دلہن شام سے بیٹھی پاؤں دبا رہی ہے!! بیتاب ہوکر بہو کو گلے لگا لیا اور کہا "مجھے کیا خبر کہ گھر بھر پڑا سو رہا ہے اور تم پاؤں دبا رہی ہو۔ بیٹی تھک گئی ہو گی۔ خدا عمر دراز کرے جاؤ سو رہو" بات معمولی نہ تھی بہو کی یہ خدمت ساس کے

دل میں کھپ گئی اور اس کو معلوم ہوگیا کہ بہوؤں کی ذات
میں جن صفات کی تلاش ہوتی ہے۔ ان میں حسنِ سیرت بھی
کوئی چیز ہے یہ تمام گھر کو معلوم ہوچکا تھا کہ گو دلہن گھونگھٹ
میں دبی سکڑی بیٹھی ہے اور موجودہ معاشرت اجازت نہیں
دیتی کہ اُٹھ بھی سکے مگر اس کے دل میں یہ جذبہ پوری طاقت
سے کام کر رہا ہے کہ میں اپنا ہر لمحہ سسرال کی خدمت میں
گزار دوں۔ وقت کی بات تھی کہ گھر کی بڑھیا ماماکسی بات پر
بگڑ اور اکڑ کر سیدھی ہولی۔ علی الصباح یہ دیکھکر سب دنگ
رہ گئے کہ گھر کے چپے چپے اور کونے کونے کی جھاڑو دی
ہوئی ہے۔ انگنائی اور کمرے سب چندن بنے ہوئے ہیں۔
دوسری صبح بھی گھر پر اسی طرح آئی اور تیسری رات کو ساس
جب قصداً جلد اٹھی تو دیکھا کہ ہفتہ بھر کی دلہن جھاڑو دے رہی
ہے! اس سے فراغت پا وضو کر، نماز پڑھ اپنے کمرے میں جا
دبک دبکا دلہن بن کر بیٹھ گئی!

پودہ ہوا میں تیر رہا ہے۔ عالم سنسان میں جب چمن
پھولوں کے ٹھنڈے سانسوں سے گونجتا ہے۔ آبشار تھک کر
خاموش ہو جاتے ہیں تو ایک متحیر بلبل سرو سے اڑ کر آتی ہے
مطالعۂ گل میں محو ہوتی ہے اور چیخ مار کر اڑ جاتی ہے۔ پودا

فرض اولین ادا کر چکا۔ اس کے پہلے پھول نے انسانی پودے کو دلہن بنا دیا۔ پھول مرجھا گیا، کسی نے نہیں دیکھا۔ پتیاں فنا ہوکر ہوا میں مل گئیں۔ کسی کو خبر نہیں۔ مگر ابھی آخری پھول کو بھی کچھ کرنا ہے وہ اس دلہن کے کفن کو معطر کریگا اس لئے
پودا پل رہا ہے بڑھ رہا ہے سنبھل سنبھل کر اچھل اچھل کر

پردیسن دو ماہ کے واسطے میکے ہو آئی۔ سسرال میں دوسرا پھیرا ہے بزاز گھر پر آیا۔ کپڑا لیا گیا۔ چادرہ چونکہ ایک ہی تھا، دلہن کو دیدیا گیا، واجدہ چھوٹی نند کی خواہش بھی بھاوج کے علم میں آئی۔ دوسرے روز جب بہو ساس کے سلام کو جھکی، اور دعا مل گئی تو سامنے بیٹھ کر کہا۔

"اماں جان ایک بات عرض کرنی ہے"۔

ساس۔ ہاں بیٹی کہو شوق سے"

بہو: آپ نے جس شفقت اور محبت سے کل میرے واسطے چادرہ خریدا میں اس کا شکریہ نہیں ادا کرسکی۔ مگر شاید آپ کو معلوم نہیں کہ بہن واجدہ بیگم کو وہ بہت پسند ہے۔ میرے پاس دو چادرے اور ہیں۔ مجھے سردست اشد ضرورت نہیں یہ چادرہ واجدہ بیگم کو دیدیں تو وہ بھی خوش ہوجائیں اور میں بھی۔

کنواری بچیوں کے دل بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ وہ جس قدر ہوش سنبھالتی جاتی ہیں اُن کا دل اسی قدر کمزور ہوتا جاتا ہے۔ بہوؤں کا مستقل حق ہے۔ لیکن بیٹیوں کا عارضی۔ ان کی دلجوئی ہمارا فرض ہے۔ کیا خبر تقدیر ان کو کیسے گھر لیجائے اور سابقہ قدر دانوں سے پڑے یا نا قدر دانوں سے۔ آپ نے چادرہ کل مجھ کو عطا فرمایا اور میں شکریہ کیسا تھ خاموش ہوگئی بظاہر وہ بھی ہنستی رہیں مگر میرا جی چاہتا ہے کہ آپ یہ چادرہ اپنے ہاتھ سے ان کو اڑھا کر میرا دل خوش کر دیجئے"

ساس کی محبت بھری نظریں بہو پر پڑیں۔ آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہا۔

"تم بڑی بھاوج ہو اپنے ہاتھ سے بسم اللہ کرکے اڑھا دو۔ خدا تم کو نظر بد سے بچائے"

واجدہ کو جس وقت بھاوج نے چادرہ اڑھایا وہ ہنسی اور اس کے بعد پھر یہ کیفیت دوسرا رنگ لائی وہ کھڑی ہوئی گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا:۔

"بھابی جان خوش رہیے"

———:(۵):———

خاتون وہی بچی ہے جو ۲۰ نومبر کی شام کو بڈھے خسر کا مضمون "افراط و تفریط" اخبار ہمدرد کے واسطے صاف کرنے

ی رجب ، رنومبر کا آفتاب طلوع ہو چکا اور ضعیف آنکھوں نے
بار پر دلہن کو نہ دیکھا تو واجدہ سے پوچھا "دلہن کہاں ہیں" معلوم
ا کہ حرارت ہو گئی۔ ملیریا چاروں طرف پھیل رہا تھا۔ گھر کے گھر
یسے ہوئے تھے اور خود اس گھر میں چار بچے بخار میں مبتلا تھے۔
س لئے زیادہ تشویش نہ ہوئی۔ خیال تھا کہ صبح تک اتر جائے گا۔
ر دوسری شام کو بھی بخار نے پیچھا نہ چھوڑا تو مس مریم کو بلایا۔ وقت
ی بات تھی کہ مس مریم لیڈی ڈاکٹر آنے کو تیار ہوئی تو اُسے بھی بخار
ڑھ آیا اور تیسرے روز علی الصباح ڈاکٹر نے آکر دیکھا تو بخار
۱۰۰ تھا!

دوا دی مگر یہ ن تانبا تھا کہ کسی طرح نہ پسیجا۔ شام کو
اکٹر پھر آیا تو دماغ کی حالت درست نہ تھی! سال بھر کا بچہ سعد
ودھ کے لئے تڑپ رہا تھا، مگر ما کو خبر نہ ہوتی تھی! رات کسی
ہ کسی طرح ختم ہوئی صبح کو دو ڈاکٹر بلائے اور جھانسی تار دیدیا گیا۔

:(۶):

باغ کی چہل پہل بدستور ہے۔ درخت جھوم رہے ہیں،
تیاں سرسرا رہی ہیں، موتیا مہک کر، طوطی لہک کر، بلبل چہک کر
ضا چمن کی رونق دوبالا کر رہے ہیں۔ باغبان کا پودا جس کے
پہلے پھول نے خاتون کو دلہن بنایا تھا۔ کہیں کا کہیں پہنچ گیا
جوانی کی ترنگ میں، شوق کی امنگ میں، پودہ بڑھ رہا ہے

لہک لہک کر اور چٹک چٹک کر۔

۱۱ر نومبر کی صبح کو بدنصیب ماںچی کی خبرِ علالت کا تار پڑھتے ہی جھانسی سے روتی پیٹتی چلی۔ آٹھ گھنٹے کس طرح گزرے رات کیونکر کٹی، کون جان سکتا ہے۔ زبان پر آہ، دل میں گھونسے آنکھ میں آنسو تھے۔ گھر پر پہنچی تو دیوانوں کی طرح باہر ہی ایک ایک سے پوچھا "میری بچی کیسی ہے"۔ بے قابو اور بے اختیار پردہ اور حیا کسی چیز کا ہوش نہ تھا دالان میں گھسی، تو دیکھا جو بچی اچھی بھلی تندرست اور توانا پندرہ روز پہلے میکے سے آئی تھی، پلنگ پر اس طرح پڑی ہے کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور زبان بند! قیامت یہ تھی کہ دماغ کام کر رہا تھا اور زبان بند تھی، بدبخت ماںچی کی صورت دیکھکر تڑپ اٹھی، منہ پر منہ رکھدیا اور جب یہ دیکھا کہ آنسو کی لڑیاں زار و قطار بیمار کی آنکھ سے بہہ رہی ہیں تو بیتاب ہوگئی۔ سوالات کئے، آوازیں دیں، لیکن مریض کی زبان نہ اُٹھی! اب ماں کی حالت بگڑ گئی "ہائے" کہکر گری اور بے ہوش ہوگئی۔ ہوش آیا تو کھڑی ہوئی، اس جسم پر جس کو بالشت بھر کے لوتھڑے سے خونِ جگر پلا کر جوان کیا تھا سر سے پاؤں تک ایک نظر ڈالی اور کہا "خاتون بیٹی یہ کیا کر رہی ہو" صرف ماں کا نہیں دیکھنے والوں کا دل ٹکڑے ہوگیا کہ ماں کے اس جواب میں مجبور و لاچار بچی نے زبان باہر

نکال کر گردن ہلائی! جس کا مطلب یہ تھا کہ میں مجبور ہوں بول نہیں سکتی!!! اوپر والے رو رہے تھے۔ ماں بلبلا رہی تھی اور جا نہار دلہن کی ٹکٹکی اپنے سال بھر کے بچے پر جس کو ماما گود میں لئے کھڑی تھی بندھی ہوئی تھی!! دیکھنے والی آنکھیں وہ قیامت خیز منظر دیکھ کر چیخ اٹھیں جب بیمار کا کپکپاتا ہاتھ بچے کی طرف بڑھا! چھ دن کا بچھڑا ہوا معصوم سعد ہمک کر ماں پر گر رہا تھا کہ مامتا کی اس زبردست طاقت نے مرض کی اس خفیف و شدت دونوں کو فنا کر دیا۔ مریض کے زرد رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے، نگاہ بچے کے چہرے پر تھی! ہاتھ اسکی طرف بڑھا ہوا تھا! کہ مریض کی دو آوازیں "سعد سعد" مکان میں گونجیں غشی طاری ہوئی اور آنکھیں بند ہوگئیں۔ تین ڈاکٹر موجود تھے اور علاج کی کوئی ممکن کوشش ایسی نہ تھی جو نہ کی جا رہی ہو ۱۳ تاریخ کی صبح کو بخار اترا، ہوش نسبتاً درست تھے۔ ساس کو بلا کر بمشکل تمام کوئی بات کی جو اچھی طرح سمجھ میں نہ آئی۔ اشارے سے معلوم ہوا کہ کسی کے بلانے کی ضرورت ہے۔ پوچھا "کس کو بلاتی ہو؟ بڑی نند کو؟ چھوٹی کو؟ کہا "نہیں" اس کے بعد اس بدنصیب شخص کا نام آیا جو تمام ہندوستان سے چھانٹ کر اپنے بچے کے واسطے دلہن اس توقع پر لایا تھا کہ بڑھاپے کا سہارا ہوگی! بدبخت خسر قریب

گیا اشارے سے پاس بٹھایا۔ اب آنسوؤں کی طاقت نہ تھی! صرف دو قطرے دونوں کوئیوں میں ڈوبلے ہوئے تھے! چہرے کی کیفیت منت والتجا ظاہر کر رہی تھی کہ تشنج کا دورہ شروع ہوا، مگر اس حال میں بھی خون کا جوش اور کلیجے کی آگ اتنی بھڑکی کہ التجا کی آنکھوں سے اپنا لال خسر کے سپرد کیا اور صرف اتنا کہہ سکی۔

"سعد"

وہ پردیسن دلہن جو سسرال میں صرف پونے دو سال کی مہمان تھی، ایک مسہری میں خاموش پڑی ہے۔ عزیز جمع ہیں اور سب کی زبان پر اللہ ہی اللہ ہے۔ اب وقت نے وہ کیفیت دکھائی کہ سب کی ہچکی بندھ گئی، بیمار نے دفعتاً آنکھ کھولی آنکھ کی گردش نے سب کو دیکھا اور آہستہ کہا۔

"خدا حافظ"

ساس نے بہو کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے اور رو کر کہا۔ "بیٹی یہ کیا دکھا رہی ہو"

شدت کا دورہ ہوا، اور بخار تیز ہونے لگا۔ شام کو ۱۰۶ کے قریب تھا۔ کیسا قیامت خیز وقت ہے کہ وہ ماں جو بیٹی کو پردیس میں بھیجتی تھرا رہی تھی، دہلی میں آکر یہ رنگ دیکھ رہی ہے! جس کلیجے کے ٹکڑے کو سینے سے چپٹا کر دو دو گھنٹے

ند دودھ پلا پلا تھا، آج ماں متا کی ماری مرض الموت میں دو دو
منٹ بعد دوا پلا رہی ہے!! وہ بدنصیب ماں جس کی آنکھوں
کے سامنے سے بائیس برس کی جوان شیرنی اس طرح تڑپ
ٹپ کر اٹھ رہی ہو وہی بتا سکتی ہے کہ دل پر کیا گذر گئی!! ایک
رت بڑھیا ماں دیواروں سے سر پھوڑ رہی تھی اور دوسری
رت سال بھر کا معصوم گھٹنیوں چلتا ہر سمت کمرے میں ماں
ڈھونڈھتا پھرتا تھا۔ کونسا دل تھا جو یہ دیکھکر نہ لرزا!! ننھی
سی جان پلنگ کی پٹی پکڑ کر کھڑا ہوا، لحاف پر ہاتھ رکھا اور کہا

"اماں، اماں"

بیمار کی حالت بدستور تھی، دورے پڑ رہے تھے۔
رسامی کیفیت تھی۔ اذان کی آواز کان میں آئی، پو پھٹی، صبح
دی، دھوپ نکلی، ڈاکٹر آئے، بخار ہلکا ہوا۔ مگر ۱۲ بجے کے بعد
ہر بخار چڑھا اور آناً فاناً ۱۰۶ تک پہنچا۔ آج کے حملہ نے تمام
یدوں کا خاتمہ کر دیا!! ایک دہان پان بچی کی جان پر دنیا
ہر کے نرغے تھے۔ فالج، سرسام، بخار، تشنج! مگر مرحبا اور
فریں اس صابر و ضابط ماں پر جس کی بائیس سال کی کمائی
دیکھتے میں لٹ اور جوان بچی ہمیشہ کے لئے چھٹ رہی تھی!! مگر
س نے دامنِ استقلال ہاتھ سے نہ دیا، دانت بچے تھے دوا
مشکل سے اترتی تھی مگر صبر کی بندی اپنی لگی میں کوئی دقیقہ نہ

چھوڑ رہی تھی۔ اللہ اللہ یہ کیسا نازک وقت آرہا ہے۔ رات کے دس بجے ہیں۔ ماں کی تمام آوازیں بیکار گئیں، شوہر نے چمچہ ہاتھ میں لے کر کہا "خاتون! دوا پی لو۔"

بیمار نے شوہر کی یہ آواز سنتے ہی آنکھ کھولی اور اس کے ساتھ ہی منہ بھی بہت ذرا سا کھلا، دوا بمشکل اتری، مگر فرمانبرداری کی مجسم تصویر نے ساعتِ آخر میں بھی حکم کی تعمیل کردی! بالآخر وہ وقت آیا جس کے خیال سے دل دھڑکتا تھا۔ گیارہ بجے سانس خراب ہوا اور ٹھیک ۱۲ بجے رات کو جب ۱۵ نومبر شروع ہوئی، جھانسی والی بیگم، پردیسن دلہن، ساس سسروں کے سامنے، شوہر کی موجودگی میں نامراد ماں کے ہاتھوں میں، دنیا سے رخصت ہوئی!! اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا دل تھا کہ جس سے ماں نے اپنی بچی کا جسدِ خاکی درست کیا، اور وہ کیا ہاتھ تھے جن سے اس کلیجے کے ٹکڑے کے منہ پر ڈھاٹا باندھا اور انگوٹھوں میں حلقہ ڈال کر کلمۃ اللہ پڑھنا شروع کیا۔ جب رات ختم ہونے کے قریب پہنچی تو بدنصیب ماں اٹھی، منہ پر سے کپڑا اٹھایا اور پھر یہ کہہ کر ڈھانک دیا۔

"اچھا بیٹی سوؤ"

باغبان کا پودا ہی مرجھا گیا مگر ابھی اس کی شاخیں پھولوں سے لدی ہوئی ہیں اور آج اس کا آخری پھول مرنے

والی بچی کی قبر پہ ہو گا ۔

میری مرنے والی بچی **خاتون اکرم** کے نام سے
دنیائے نسواں اچھی طرح آشنا ہے، رازق میاں کیواسطے
جب شادی کی تجویز ہوئی تو اکثر عزیزوں کی مخالفت کے باوجود
میں نے یہ لڑکی منتخب کی ۔ ۲۸ر دسمبر ۲۲ء کو نکاح ہوا قصد یہ
تھا کہ وداع بی ۔ اے سے فراغت کے بعد ہو ۔ مگر عورتوں
کی خواہش سے یہ جانہار لڑکی ۲۶ر فروری ۲۳ء کو دلہن کی
حیثیت سے دہلی آئی اور بہو بن کر میرے گھر میں داخل ہوئی ۔
وہ کسی متمول باپ کی لڑکی نہ تھی اور شکل وصورت کے اعتبار
سے بھی اوسط درجہ کی تھی ۔ مجھے جس چیز نے مائل کیا وہ اس کے
مضامین اور خیالات کی شستگی، معاملہ فہمی اور عاقبت اندیشی تھی،
اور حق یہ ہے کہ اگر خاتون لاکھ روپیہ کا جہیز لیکر اور کوہ قاف
کی پری بن کر آتی تو میری نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہ ہوتی
وہ ایسی بیش بہا دولت سے مالا مال تھی جس نے پہلے ہی پہرے
میں ساری سسرال کے دل فتح کر لئے ۔ اس میں شک نہیں
رازق دلہن کی موت نے میری بہت سی خواہشوں کا خاتمہ
کر دیا ۔ مگر وہ اپنی قابلیت اور فرمانبرداری کے ایسے سدابہار
پھول میرے دل پر کھلا گئی کہ میں جب تک زندہ ہوں اس کو

فراموش نہیں کرسکتا۔ مرنیوالی خاتون دلّی والوں کو دکھا اور کُنبہ والوں کو بتا گئی کہ بیوی کیا ہوتی ہے اور بہو کس کو کہتے ہیں۔ وہ میرے گھر میں صرف دو سال کی مہمان تھی آئی، رہی، چلی گئی ۔ مگر اس کا قیام بہوؤں کے لئے سبق اور بیٹیوں کیلئے نمونہ ہے۔ جس بات کو یاد کرتا ہوں وہی خون کے آنسو رلواتی ہے لکھنے میں پوری مددگار۔ تربیت گاہ میں برابر کی شریک کس کس خدمت کو روؤں بہو نہیں بیٹی تھی اور بیٹی بھی ایسی خدمت گذار کہ دنیا میں ایسی بچیاں کم ہونگی ! ہر حال میں خوش اور ہر کیفیت میں راضی ۔ میرا دل پھٹتا ہے جب اسکی غربت یاد کرتا ہوں اور اسکی کیفیت کا خیال آتا ہے ۔ آج اسلامی دنیا بہوؤں سے پٹی پڑی ہے ۔ اچھی بھی ہیں، بُری بھی، فرمانبردار بھی، غیر معقول بھی، مگر ایسی بہو کہاں ہوگی کہ بائیس سال کواپنے میں صرف کالی مرچ کا سالن کھایا اور لال مرچ چھوئی تک نہیں۔ بیاہی گئی تو دہلی میں مرچوں کا گھر۔ جہاں سیر بھر گوشت میں پچیس تیس مرچیں پڑیں زبان کا قیمہ ہوا منہ کا دلیہ بنا ہونٹ سوجھ گئے حلق زخمی ہوا۔ المختصر مرتے مرگئی مگر یہ پتہ نہ چلنے دیا کہ مرچ نہیں کھا سکتی !!

کس دل سے کہوں کہ جس بچی کو اس ذوق وشوق سے بیاہ کر لایا تھا جس دلہن کو کل پالکی سے گود میں اتارا تھا۔ آج اس کا جنازہ تیار ہے !! اور جن ناشاد ہاتھوں سے اس کا گھونگھٹ کھولا تھا وہ قبر میں دفن کر رہے ہیں !!

خاتون مرحکی جنازہ اُتار دیا گیا اور اس وقت اسکی قبر پھولوں سے پٹی ہے، مگر بڈھے خسر کے آنسو جو مرنے والی کی یاد میں ہمیشہ گرینگے بہو بننے والی لڑکیوں کو بتا رہے ہیں کہ بہو اس کو کہتے ہیں !

دسمبر ۱۹۲۴ء

۷۸۶

خدارا اِس طرف آنا تو پڑھکر فاتحہ جانا
غریب و نیک بچّی بے زبان و بے وطن ہے یہ
بہو راشد کی ہے خاتونِ اکرم ہادیٔ نسواں
دلہن جھانسی سے جو آئی تھی وہ "رازق دلہن" یہ ہے

۲۴ دسمبر سنہ ء

تعزیت نامہ

یہ وہ درد انگیز خط ہے جو حضرت علامہ محترم
نے اپنے سمدھی ڈاکٹر محمد عبدالغفور صاحب
مظہر کو روانہ فرمایا تھا۔

ڈاکٹر صاحب، السلام علیکم

آج سے دو سال پہلے یہی نومبر دسمبر کا مہینہ تھا۔
جاڑوں کے دن اور سردی کی راتیں کہ ایک سفید ریش
مسلمان آپ کے دروازے پر بھیک مانگنے آیا۔ فقیر بچوں
کا تماشہ اور جوانوں کا کھیل تھا۔ دھن دولت کا بھوکا نہیں
ایک ایسے لعل کا متلاشی تھا۔ جس کی روشنی اس کے گھر
ہی کو نہیں۔ اس کی قبر کو بھی جگمگا دے، سوال کڑا تھا اور
بھیک سخت، مگر التجا کا ہر فقرہ اور درخواست کا ہر لفظ خاکِ
رب سے کھلنے والے سدا بہار پھولوں سے معطر تھا۔ شرع
اسلام کا مقدس سایہ اس کے سر پر تھا۔ اور انسان کامل
کے پاک الفاظ اس کی حمایت میں صدائے درد انگیز سے
دل سے نکل کر زبان پر آئی تھی۔ بچوں والی ماں تڑپ اٹھی،
روتی ہوئی دروازہ پر آئی، سنت نبوی پر قربان ہوتی ہوئی
آگے بڑھی، آسمان کی طرف دیکھ کر آنسو پونچھے، اور بسم اللہ کہکر
اپنا کلیجہ کا ٹکڑا فقیر کی گود میں ڈال دیا۔

قدرت ہنس رہی تھی کہ بڈھا مسلمان اسلام کی آڑ میں مکر کا جال بچھا رہا ہے، اور یہ سنگدل انسان اس بے زبان بچی کو گھونٹ گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتارے گا۔ بدنصیب ماں دیواروں سے سر پھوڑے گی، مظلوم باپ پچھاڑیں کھائے گا۔ بہنیں کہرام مچائیں گی، بھائی بلبلائے گا! مگر یہ عورت دیکھنی نصیب نہ ہوگی جس نے آپ کی خدمت گذار بچی کو آپ سے جدا کر، عزیزوں سے چھڑوا، سب کو روتا بلکتا چھوڑ اپنے گھر میں لاکر بند کیا، وہ میں ہوں! جس نے آپ کے پھول کو خاک میں ملایا، وہ میں ہوں۔ خاتون کے منہ پر ڈھاٹا باندھنے والے، آپ کی پردیسن بچی اور بے زبان خاتون کو کفن دینے والے میرے ہاتھ ہیں! آپ نے اپنی امانت دلہن بنا کر میرے سپرد کی اور میں نے اس کی یہ قدر کی کہ اس کو اپنے ان ہاتھوں سے گہری گور میں سلا کر پیوند زمین کر دیا!!

آپ حق رکھتے ہیں کہ میدانِ حشر میں جب ایک حاکم حقیقی تختِ عدالت پر ہوگا میرے گریبان میں ہاتھ ڈالیں۔ اور اپنی بچی کے خون کا دعویٰ مجھ سے کریں، اور یہ علی الاعلان فرمائیں، کہ یہ وہ شقی القلب مکار ہے، جس نے میری بچی کو محبت کے جال میں پھنسا کر عداوت سے کام لیا اور جس جسم کو میں نے پھول کی چھڑی نہ لگائی تھی اس ناہنجار

نے اس کو ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا دیا! اور جس کی ہم نے دن رات اللہ آمین کی اور مرادوں سے پالا اس نے چشم زدن میں تاراج و برباد کر دیا!!

دنیائے اسلام مکر، دغا، فریب سے پٹی پڑی ہے۔ مگر میری ناہنجار ہستی سب سے بازی لے گئی۔ آپ نے منت خوشامدوں سے عجز و زاری سے میرے رحم و کرم کے بھروسہ پر جو بیگم میرے سپرد کی تھی میں نے اپنے ان ہی ہاتھوں سے اس کو فنا کیا!!

مجھے داد دیجئے کہ روسیاہی میں، میرے دل کو مرحبا کہیے کہ بیوفائی میں، میرے ہاتھوں کو آفریں کہیے کہ کج ادائی میں نظر نہیں رکھتے، وہ بے زبان لڑکی جو آپ کے سینہ پر لوٹنی' ماں کی چھاتی پر بیٹھتی' اور بھرے مجمع میں سوتی تھی، میں نے، میرے دل نے میرے ہاتھوں نے اس کو آج ایسے جنگل میں سلا دیا جہاں رات کے سناٹے میں آدمی ہے نہ آدم زاد' جنگل بیابان اور ہو کا میدان!! حضرت کیسی شادی، کس کا نکاح' مجھ روسیاہ کے نامہ اعمال میں گناہ کا اور اضافہ ہونا تھا وہ ہو گیا' آپ نے سن لیا ہو گا کہ جب رات کے حصہ اول میں اس مہمان بچی پر آثار موت طاری ہوئے اور اس بدنصیب عورت کو جس کا دل مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا

پورا یقین ہو گیا کہ یہ کلیجہ کا ٹکڑا جس کو نو مہینے پیٹ میں رکھ کر دو سال چھاتی سے چمٹایا اور بیس سال آنکھوں پر بٹھایا آج ہمیشہ ہمیشہ کو جُدا ہوتا ہے۔ تو ماما کی ماری دیوانہ وار اٹھی' بچی کے منہ پر منہ رکھا اور اس کے ہاتھ اپنے گلے میں ڈالکر اس آگ کو ٹھنڈا کیا جو دل کھولا رہی تھی! یہ وہ وقت ہے کہ ایک ماں اپنی بچی کو کلیجے سے چمٹائے دنیا سے وداع کر رہی ہے۔ اس کے ہاتھ اٹھاتی ہے آنکھوں سے لگاتی ہے۔ پریشان بال درست کرتی ہے۔ منہ پر ہاتھ پھیرتی ہے۔ ناک کی کیل کو ٹیڑھا دیکھکر تڑپ اٹھتی ہے کہ چبھ رہی ہو گی۔ قفل ٹھیک کرتی ہے۔ بیہوش کو پیار کرکے' کمر پر ہاتھ پھیر کر ہاتھ میں ہاتھ لیکر چوڑیوں کو برابر کرتی ہے! ان ہی کوششوں میں منہمک ہے کہ ماما کی آگ بھڑکی' آنکھوں میں اندھیرا آگیا "ہائے" کہکر اٹھی' جھکی' بیمار کو غور سے دیکھا' تو دل نے صدا دی۔

"خاتون چلی"

ایک چیخ ماری اور لپٹ گئی!!

رات کے حصہ اول کی آخری گھڑیاں تھیں کہ ایک زخمی دل کا ٹھنڈا سانس بلند ہوا' جس نے کائنات کے ہر ذرہ کو تھرا دیا۔ دنیا وہ قیامت خیز منظر دیکھ رہی تھی کہ ایک بدبخت ماں کس طرح اس مہمان بچی سے لپٹی پڑی ہے

جس کی صورت عنقریب آنکھ سے اوجھل ہوگی درو دیوار رو رہے تھے کہ وہ ظالم ہاتھوں نے ان ما بیٹیوں کو جدا کیا اور اس ماکو جس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی، جو اب زندگی سے مایوس ہوکر صرف دیدار کی متمنی تھی جبر و زور سے علیحدہ کردیا یہ میرے ہی ہاتھ تھے۔ یہ جفاکار میں تھا یہ ستم توڑنے والا میں اور صرف میں تھا!

دنیا کا ذہن فراموش کرنے میں حق بجانب ہوگا، مگر میرے اپنے اعمال میری آنکھ کے روبرو ہیں، اور موت سر پر موجود ان گناہوں کو سامنے لا رہا ہے، جن کی پاداش لازمی اور سزا یقینی۔

تاریخِ دنیا میرے کرتوت دیکھکر تھرّا اٹھے گی، اب وہ وقت آتا ہے کہ جس بدنصیب لڑکی کو صرف ایک سال کے واسطے قدرت نے ماں بنایا تھا، اس سے پہلے کہ دنیا سے ناشاد و نامراد رخصت کرے، وہ ایک دفعہ اپنے بچے پر آخری نظر ڈال لے۔ رات کے گیارہ بجے ہوں گے کہ بیمار نے آنکھ کھولی، اور پہلی نظر بچہ کے چہرے پر پڑی! کس قیامت کا وقت ہے۔ موت اور مامتا دونوں میں کشمکش ہے۔ سانس اکھڑ گیا، نبض بگڑ گئی، زبان بند ہے کہ دفعتاً ایک کانپتا ہوا ہاتھ بچہ کو آغوش میں لینے کیواسطے

آگے بڑھا، شیر خوار بچہ ہمک کر ما پر گرا، اور سینہ سے چمٹ گیا!! یہ وہ ساعت ہے کہ ایک بے بس اور مجبور ما جس کا ہر عضو بیکار ہے۔ چہرے کی شکنوں سے اپنے معصوم کو کلیجہ سے چمٹا چمٹا کر قربان ہو رہی ہے۔ بے زبان بچہ جو ما کی گود اور دودھ کی بو کو ترس اور تڑپ رہا تھا گلے میں ہاتھ ڈال کر سو گیا! وہ سنگدل انسان جس نے پھڑکتی ہوئی ما کو بچھڑتے ہوئے بچے سے علیحدہ کر دیا میں ہی ہوں، اس روتے ہوئے معصوم کو الگ کرنے والے ہاتھ میرے ہی ہیں، مامتا والی آنکھیں پھوٹ پھوٹ کر روئیں مگر میری آنکھ میں میل نہ آیا، میری بدبخت آنکھوں نے بیمار کی وہ کھلی ہوئی آنکھیں دیکھیں جن میں بولنے کی طاقت نہ تھی، لیکن آنسوؤں کی لڑیاں رحم کی ملتجی تھیں۔ مگر مجھ سنگدل نے بچہ کو علیحدہ کیا، اور اس ما کے تمام جذبات ٹھکرا دیئے جو عنقریب اس دنیا سے سفر کرنے والی تھی!!

ڈاکٹر صاحب! خاتون رخصت ہوئی وہ آپ کے کلیجہ کا ٹکڑا اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، آپ کا دل جس قدر تڑپے، آپ کی آنکھیں جتنی بھی روئیں، درست اور بجا ہے، ۲۲ سال کی محنت تھی، بالشت بھر کے لوتھڑے کو خونِ

جگر پلا کر جوان اور مٹھی بھر پوٹلی کو اللہ آمین سے انسان بنایا تھا۔ آج وہ انسانیت اور جوانی آپ کی آنکھوں کے سامنے خاک میں مل گئی آپ کے سامنے پورے بائیس سال کے کارنامے ہوں گے۔ مرنے والی کی مختلف صورتیں متفرق حیثیتیں آپ کے دل پر برچھے چلائیں گی۔ تخیل رنگ برنگ کے مناظر دکھا کر ایسے کچوکے دیگا کہ دلِ مجروح بلبلا اٹھے گا۔ وہ کبھی گود میں ہوگی کبھی سینے پر، کبھی ہاتھوں میں کبھی کروٹ میں، آج گھسٹتی گھسٹاتی، گھٹنیوں چلتی، ہاتھ مٹکاتی، گردن ہلاتی، آکر سینے سے چمٹ گئی۔ کل نیگالے کی مینا گھر بھر میں باتیں ملکاتی پھر رہی ہے۔ اس پر قیامت اس غصہ اور خفگی کی یاد ہوگی جو مہان بچی پر ہر طرف سے ہوئے۔ ذہن ان واقعات کو مجتمع کرکے دل میں زخم ڈال دے گا۔ پھر زخم چرائے گا۔ یہ آگ بھڑکے گی، اس دل کے ٹکڑے اڑیں گے، جب حافظہ یہ دکھائے گا کہ خفگی ہو رہی ہے۔ غصہ ٹوٹ رہا ہے اور بے گناہ بچی گم سم خاموش کھڑی، نیچی گردن کئے میلی اوڑھنی سے آنسو پونچھ رہی ہے!!

یہ درد تھمنے والا نہیں، اس کی ٹیسیں اس کی جھپکیں اس کی کسکیں۔ جب تک سانس موجود ہے آپ کو جیتے جی قبر کا مزہ چکھائیں گی۔ مگر جو باتیں میں کر رہا ہوں اس لئے کہ

ماننا نہ تھی، جو کہرام میرے ہاں مچ رہا ہے اس واسطے کہ ہم غیر تھے حقیقتاً ایک قسم کی مبارک یاد ہے کہ اس ڈیڑھ پونے دو سال کے عرصہ میں وہ ہمارے دلوں پر ایسا سکہ بٹھا گئی کہ ہمارا بچہ بچہ خون کے آنسو رو رہا ہے! سسرال کٹھن منزل کا سر کرنا آسان نہیں، اچھی اچھی سمجھدار اور بڑی بڑی ہوشیار لڑکیاں اس میدان میں ڈگمگا جاتی ہیں، لیکن مرحومہ خاتون پھول کی طرح اس دریا سے پار ہوئی۔ ساس نندوں کو دکھا اور مجھکو بتا گئی کہ بہو کس کو کہتے ہیں۔

میں نے جو الزام اپنے اوپر لئے سچ یہ ہے کہ اس کی خدمات کا اعتراف ہے، ورنہ جو کچھ کیا اسی دم کے واسطے۔ احکام الٰہی کے روبرو سر تسلیم خم تھا، میں، تھا میں نے کیا۔آپ ہوتے آپ کرتے۔ قدرت کا قانون اٹل اور زمانہ کی رفتار جاری ہے، ہوا ہو رہا ہے، ہوگا، اور ہوتا رہے گا۔ جوان شیر اٹھ رہے ہیں۔ مچلی لاشیں جا رہی ہیں۔ اندھی آنکھ موت پر روتی ہے مگر چشم بینا یہ دیکھتی ہے کہ چلنے والا کیا چھوڑ چلا اور سفر یہ سب کو ہے کوئی آج چلا کوئی کل۔ لیکن خوش نصیب ہے وہ جانے والا جس نے رونے والے چھوڑے، آپ اور میں دونوں خاتون کی خوش نصیبی پر رشک کر سکتے ہیں، مرنا مجھے اور آپ کو دونوں کو ہے اور کچھ

دیر میں بھی نہیں۔ دس پانچ سال کے پھیر ہیں۔ اولاد آپ
ہی چھوڑیں گے اور میں بھی رونے والے میرے اور آپ کے
دونوں کے ہوں گے مگر کیسے؟ دو چار آنسو سے بہلئے ہنس
دیئے۔ سچ پوچھئے تو رونے والے خاتون نے چھوڑے اکہ
مہینہ بھر سے زیادہ ہو گیا' ماماؤں تک کا آنسو نہیں تھمتا۔ قوم
درماندہ میں اگر چند لڑکیاں ایسی پیدا ہو جائیں تو لاریب چند
روز میں بیڑا پار ہے۔ اور میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گا
کہ اس کی کامیابی کا سہرا آپ کی تعلیم و تربیت کے سر ہے!
میرا دل درست نہیں دماغ خراب ہو رہا ہے۔ ہوش ٹھیک
اور عقل ٹھکانے نہیں۔ یہ کیا انقلاب ہو گیا۔ کل جس بچی کی پالکی
دروازے پر آئی تھی آج اس کا جنازہ صحن میں رکھا ہے! آنکھیں
چکرا رہی ہیں حواس زایل ہیں کیا دیکھ رہا ہوں! یہ موت اسکی
ہے جس کے منہ سے پھول جھڑتے تھے! جس کے ہاتھ سے
موتی برستے تھے! جس کو گود میں اٹھایا تھا آج اس کا جنازہ
اٹھتا ہے! یہ خوش نصیب تھی پالکی آئی اور چارپائی چلی!
اس کی آرزو تھی کہ شوہر کے ہاتھ سے پیوند زمین ہو آج آپ کی
بچی کا ارمان پورا ہوتا ہے! آپ نے مجھے اس کے نکاح میں
شریک کیا جو پھولوں میں مہک رہی تھی میں آپ کو اس کے
دفن میں بلاتا ہوں' جو کافور میں ڈوبی ہوئی ہے' آپ نے

وداع کے وقت اس کی آنکھ میں آنسو دیکھے ہوں گے۔ لیکن میں نے مرض الموت میں بھی اس کی آہ نہ سُنی، بخار تھا فالج تھا۔ سرسام تھا۔ مگر زبان پر ہائے نہ تھی کلیجہ کٹتا ہے۔ جب خیال کرتا ہوں کہ دم واپسیں میں مجھکو بلایا زبان بیکار تھی دورے پڑ رہے تھے، شرم وحیا کی مجسم تصویر نے سر ڈھانکنے کی ہر چند کوشش کی، لیکن ہاتھ نہ اٹھا۔ شکریہ کی کیفیت آنکھ میں اور منّت وعجز کے آثار چہرے پر ظاہر ہوئے اور روتی ہوئی آنکھوں سے اپنا لال میرے سپرد کر آنکھیں بند کرلیں!!

ڈاکٹر صاحب! لہلہاتی کونپل ٹوٹ گئی اور ہرا بھرا چمن اجڑ گیا!! خاتون دفن ہوگئی مگر اس کا معصوم لال اسکی زندہ امانت اس کی مستقل نشانی ہمارے پاس موجود ہے، اس کو کلیجے سے لگا کر دل ٹھنڈا کیجئے۔ اس جزو میں کُل، اس شاخ میں جڑ، اور اس پنکھڑی میں پھول کی خوشبو آئے گی۔ یہ بچہ میرا نہیں آپ کا ہے۔ سیجوں کی سونے والی نے جنگل جا بسایا لیکن اس کی آبادی ہمارے پاس موجود ہے۔ تاریک آنکھ اس کی پیاری صورت اور بھولی باتوں سے روشن ہوگی۔ دل کا وہ گھر جو ویران ہوگیا اب اس میں اس ننھی سی مخلوق کو بسایئے اور گلے سے لگا کر یقین کرلیجئے کہ بائیس برس کی رفاقت سال بھر کی بن کر سینہ سے چمٹ رہی ہے!

میں اور آپ دونو مسلمان ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جامع المتفرقین جس نے بچھڑے ہوئے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے اور معصوم سیدہ کو سرکار دو عالم سے ملوا دیا ہماری اعانت کرے گا۔ خاتون بظاہر مر گئی مگر حقیقتاً موجود ہے آپ اس کو میرے گھر میں تلاش نہ کیجئے قبرستان میں نہ ڈھونڈھیئے دیکھئے اور تلاش کیجئے زخمی دلوں میں، بدنصیب انسانوں میں، حاجت مند ہستیوں میں، معصوم بچوں میں، رانڈ اور دکھیاری عورتوں میں، یقین فرمائیے کہ وہ مظلوم معصوم اپاہج و لاچار انسان جن کے زخم گرد سے لبریز ہیں، درحقیقت میں مالک ہیں اس ازلی و ابدی طاقت کے جس کی لازوال حکومت کا ڈنکہ آسمان و زمین پر بج رہا ہے۔ خاتون کو ہم سے ملا دینے والے لوگ یہی ہیں۔ ان کے دل ہاتھ میں لیجئے اور آنکھ بند ہوتے ہی بچھڑی ہوئی خاتون کو کلیجے سے لگا لیجئے۔

راشد الخیری

۱۳ دسمبر ۱۹۲۴ء

(یہ وہ مضمون ہے جو محمد عباس حسین صاحب قاری نے
اپنے اخبار قوم کے پہلے پرچہ کے لئے بڑی کوشش سے حاصل کیا تھا)

عباس میاں! ماشاءاللہ بچوں والے ہوگئے مگر بچپن کی ضد نہ گئی بھلا میں اسوقت کچھ لکھنے کے قابل ہوں ۱۷ نومبر کو رازق دلہن ۲۶ جون کو میاں خالق جن ہاتھوں نے سات مہینے میں دو جوان بچوں کو قبر میں سلادیا تم ہی بتاؤ اس دل کی کیا کیفیت ہوگی؟ ہارون الرشید کے دربار کا مشہور شاعر کثیر جو اپنی محبوبہ عزہ کی محبت کی وجہ سے تاریخ بغداد میں کثیر عزہ کے نام سے مشہور ہے مامون الرشید کی تخت نشینی پر جہاں ہزارہا قصائد پیش ہو رہے تھے جب ایک شعر بھی نہ کہہ سکا تو دشمنوں نے جو عرصہ سے اس تاک میں تھے مامون کو بھڑکا دیا۔ بات سچی ثبوت موجود۔ حکم کی دیر تھی کثیر عزہ گرفتار ہوکر حاضر کیا گیا تو مامون نے دریافت کیا کہ تجھے میری تخت نشینی سے اتنی خوشی بھی نہ ہوئی کہ ایک شعر کہتا۔ کثیر عزہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں نہ شاعر ہوں نہ میں نے کبھی شعر کہا" یہ جواب سنتے ہی

مامون کا چہرا غصّہ سے سُرخ ہوگیا اور کہا "جانتا ہے کس سے گفتگو کر رہا ہے؟" کثیر عزہ پھر مسکرایا اور جواب دیا "خوب جانتا ہوں مگر جو کچھ کہہ رہا ہوں حرف بحرف صحیح ہے۔ بادشاہ میں نے کبھی شعر نہیں کہا۔ تین چیزیں تھیں جو شعر کہلواتی تھیں۔ سب سے پہلی چیز جوانی تھی جسکی اُمنگیں خود بخود مضمون پیدا کرتی تھیں، وہ رخصت ہوئی۔ دوسری چیز عزہ تھی جس کی ہر بات بجائے خود ایک مضمون تھی وہ بھی نہ رہی۔ تیسری چیز تیرا باپ تھا جس نے ایک ایک شعر پر سینکڑوں دینار عطا کئے وہ بھی اٹھ گیا۔ اب کونسی چیز ہے جو مجھ سے شعر کہلوائے۔" میاں وہ کیفیت میری ہے دو جوان جنازوں کا گھر سے نکل جانا معمولی بات نہیں ہے جوان ہی نہیں کونپلیں! مچیاتی لاشیں! سینکڑوں ارمان ساتھ لے گئیں اور مجکو زندہ درگور کر دیا!!

بچپن میں بڑی بوڑھیوں کی زبانی ایک کہانی سُنی تھی کہ کسی شہر میں ایسا قحط پڑا کہ جانوروں تک کو جان کے لالے پڑ گئے ایک چکوہ چکوی (سرخاب نر و مادہ) بھوک سے تنگ آکر باہر نکلے اور پردیس کا رُخ کیا دن بھر دانہ دنکا چگتے چگاتے اڑتے رہے شام ہوئی تو جنگل میں ایک درخت پر بسیرا لیا، پر شہر غیر درخت نئی جگہ نیند نہ آئی تو نر نے مادہ سے کہا "چکوی! کچھ باتیں کہ رات کٹے" چکوی نے کہا "آپ بیتی کہوں یا جگ بیتی" چکوا بولا "جگ سے کیا کام آپ بیتی کہہ" یہی حالت اس وقت میری ہے اپنے ہی واقعات اس قدر

درد انگیز کہانی بن گئے ہیں کہ آپ بیتی ہی لکھ سکوں تو بہت کچھ ہے۔ جا نہار خاتون اکرم جو صرف ڈیڑھ برس دو سال کے واسطے رازق دلہن بن کر میرے گھر میں آئی حق یہ ہے کہ مجھکو بہو کے معنی بتا گئی۔

تم کو تو معلوم ہے مگر تمہارے ناظرین یہ سنکر ہنسیں گے کہ اس نئے دور میں بھی کہ مشرقیت فنا ہو گئی اور ہو رہی ہے، ابھی کچھ لوگ اسی پرانی لکیر کے فقیر موجود ہیں۔ میں نے اپنے بچے کی تربیت اور پرورش میں از سرتاپا مشرقی اصول رکھے حد یہ ہے کہ رازق میاں ماشاء اللہ بچہ کے باپ ہو گئے مگر آج تک اتنی مجال نہیں کہ بچہ کو میری یا اپنی ماں کے سامنے بات کرنی تو درکنار آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لیں۔ بھلا بی اے کا طالب علم اور یہ اجازت نہیں کہ مغرب کے بعد گھر سے باہر قدم رکھ لے! موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ایسا لڑکا جیسا ہو گا ظاہر ہے۔ شادی کا وقت آیا تو دلہن کے انتخاب کا مسئلہ آسان نہ تھا لڑکیوں کی کمی نہ تھی اپنوں میں بھی اور غیروں میں بھی خوش حال بھی اور غریب بھی، مگر جس کو دیکھتا تھا یوں تو ہر طرح درست ہشیار بھی سمجھدار بھی، پڑھی لکھی بھی خوبصورت بھی لیکن میں جس چیز کا متلاشی تہا وہ میسر نہ تھی، جا نہار دلہن کے خیالات کا اندازہ تہذیب و عصمت کے مضامین سے ہو چکا تہا مگر اس میں بھی اندیشہ تہا کہ حقیقت کچھ اور نہ ہو خرابی یہ تھی کہ جہانسی پر شہر لڑکی جانی بوجھی

نہ لڑکے والے دیکھے بھالے، شادی سمندر کا غوطہ تھا کہ موتی نکلتا ہے یا کیچڑ دل دھکڑ دھکڑ کرتا تھا، بسم اللہ کہہ کر لڑکی کے باپ یعنی ڈاکٹر صاحب کو خط لکھدیا۔ ڈاکٹر صاحب کی سادگی اور خلوص میں مشرقی جواہرات کی پوری جھلک موجود تھی وہ آجکل کی نوجوان زندگی سے جس کا مقصد یہ تھا

The world for him and he for himself

بہت دُور تھے انہوں نے اپنی بچی کے متعلق قبل از نکاح جو خط مجھے لکھا بعد نکاح حرف بحرف صحیح نکلا! یہ وہ شئے ہے کہ پرستارانِ مغرب لاکھ سر ٹپکیں میسر نہ ہوگی۔ بجائے اس کے کہ ہم غیر ذرائع سے حالات معلوم کرتے یہ طے پایا کہ خود ہی اپنی برائیاں ظاہر کر دیں چنانچہ یہ ہی ہوا شادی ہوگئی اور دلہن سسرال آگئی۔

میری سب سے بڑی توقع جو رازق دلہن سے وابستہ تھی وہ یہ تھی کہ وہ تربیت گاہ میں میرا ہاتھ بٹائے میں نے اپنی یہ توقع ظاہر نہ کی اور دو تین دن کی دلہن بظاہر بھی کیا کرسکتا تھا مگر چونکہ علم کا شوق اس کی رگ رگ میں موجود تھا اس لئے گھونگھٹ ہی میں بچیوں کو تعلیم دینی شروع کی اور لڑکیوں کی ترقی مرنے والی کی محنت ظاہر کرتی تھی! ابھی یہ دُولہن گھونگٹ ہی میں تھی کہ گھر کی ماما بیمار پڑی اور ایک دن بجائے نماز فجر کے کوئی نو بجے کے قریب جھاڑو ملی دوسرے دن علی الصباح ہم اُٹھ کر دیکھتے ہیں تو گھر چندن ہے۔ معلوم ہوا کہ دُولہن نے اندھیرے میں جھاڑو دیدی، تعجب ہے

کہ دورِ حاضرہ کی تمام ضرورتوں سے باخبر، حالات سے آشنا
اور معاشرت سے واقف ہونے کے باوجود وہ اس قدر سعادتمند
فرمانبردار اور دبی دبائی بچی تھی کہ آج کل ایسی لڑکیاں بہت کم
ہونگی، اس کا مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ اکثر متقدمین کا کلام حفظ
تھا۔ شادی کے بعد اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ
سسرال کے ہر متنفس کا دل فتح کرے۔ چنانچہ وہ اس میں ہر اعتبار
سے کامیاب ہوئی۔ مرحومہ کی بیش بہا خدمات کا معاوضہ میں یہی
کرسکتا ہوں کہ رازق میاں اس کے واقعات زندگی قلمبند کررہے
ہیں میں ان کو مکمل کراؤں کہ دنیائے نسواں دیکھ لے کہ جاتہار دلہن
جس طرح ایک اچھی مضمون نگار لائق مصنفہ قابل مؤلف تھی
اسی طرح فرمانبردار بیٹی اطاعت شعار بہو اور فرض شناس مسلمان بھی۔
میاں عباس! لو سامنے دیکھو شمع جھکی پڑی۔ تارے جھلملا
گئے۔ آسمان نے کروٹ لی۔ اذان ہو رہی ہے۔ رات اور رات
کے ساتھ ہی جہاں دولہن کی باتیں ختم ہوئیں۔ داستان بڑی
ہے۔ زندگی ہے تو پھر کبھی اس کتاب کا کوئی ورق سن لینا
اور دوسروں کو سنا دینا۔

۲۴ ستمبر ۱۹۲۵ء

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری کی تازہ تصنیفات

آمنہ کا لال

اردو زبان کا سب سے بہتر مولود شریف حضرت
علامہ محترم کی تازہ تصنیف جس کا کئی کئی سال
سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو انتظار تھا نہایت آب
وتاب کے ساتھ چھپ کر تیار ہے اب پڑھی لکھی
عورتوں کی مجالس میلاد میں یہی کتاب پڑھی
جاتی ہے اور وہ اپنی غیر مسلم سہیلیوں کو بڑے
فخر کے ساتھ بتاتی ہیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مرد
بڑے ذوق وشوق سے آمنہ کے لال کا مطالعہ
کرتے ہیں کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا
نہیں جو خلاف عقل کہا جا سکے نثر کے ساتھ ساتھ
جہاں جہاں نظم ہے وہ بھی اس قدر موثر ہے
کہ اہل دل تڑپ اٹھیں کیونکہ تمام اشعار خود
علامہ محترم ہی کے ہیں۔ آمنہ کے لال میں علامہ
راشد الخیری کا بہترین لٹریچر ہے۔ بہت خوبصورت
ٹائیٹل دبیز کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی۔

قیمت ایک روپیہ

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے
ہو سکتا ہے کہ ایک سال میں تیسری بار چھپی ہے

سیدہ کا لال

شہادت کی مکمل تاریخ حضرت علامہ
کی بے مثل نئی کتاب حصہ اول مکمل تاریخ شہادت
ہے حضرت امام حسینؑ کی نانی ام المومنین حضرت
خدیجۃ الکبریٰ کے اسلام پر احسانات جناب
سے فضائل سرور کائنات صلعم کی رحلت حضرت
حضرت علی کی شہادتیں اور دردناک مرثیے
جنگ جمل جنگ صفین کا مکمل بیان شیعہ سنی اختلاف
ترقیاں بنی امیہ کی کوششیں امیر معاویہ کی
امام حسن کی شہادت یزید کی حکومت کی
غرض پہلے حصہ میں معرکہ کربلا سے پہلے کے تمام
واقعات نہایت تفصیل کیساتھ بیان کئے گئے
واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے
دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے حضرت مسلم اور ان
شہادت سیدہ کے لال کی مدینہ سے روانگی
کی شہادت بی بی زینب کا میدان کربلا
انکے بچوں کی شہادت حضرت عباس کی شہادت
قاسم کی شہادت حضرت علی اکبر کربلا کا ننھا
اصغر کا قاصد سیدہ کے لال کی شہادت
سیدانیاں۔ ابن زیاد اور یزید کے دربار
پر تبصرہ۔ قاتلان حسین کا انجام اور خدائی
تمام کتاب اس قدر درد انگیز ہے کہ بغیر آنسو
نہیں پڑھی جا سکتی گزشتہ میں جو مرثیے علامہ حضرت
کے ہیں ایک ایک سطر کلیجے کے پار ہو جاتی ہے
اسی طرح سیدہ کے لال میں بھی کوئی واقعہ
اور پیشین کے علاوہ جو شہادت کی بیان

ت کا اس قدر مفصل اور مکمل درد انگیز اور موثر
بیانات کسی کتاب میں نہیں تعلیم یافتہ عورتیں اور
مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب اب چھپتی
یا مجلسوں میں پڑھواتے اور سنتے ہیں نفاست
ٹائیٹل سونے کے۔ قیمت عہ مجلد قسم دوم عہ مجلد
عمر مجلد عہ قسم خاص آرٹ پیپر
تین روپیہ مجلد